توجہ اور حضوری سے پڑھی جانے والی مقبول نمازیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳ ؍دسمبر ۱۹۸۵ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت کی:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۴﴾ (النساء: ۱۴۳-۱۴۴)

اور پھر فرمایا:

سورۂ نساء کی آیت ۱۴۳ اور ۱۴۴ یہ دو آیات جو میں نے پڑھی ہیں ان میں بعض ایسی نمازوں کا ذکر ہے جو خدا کی بارگاہ میں قبولیت نہیں پاتیں اور رد کر دی جاتی ہیں۔ پس قرآن کریم جہاں مقبول نمازوں کا تفصیل سے ذکر فرماتا ہے اور ان کی صفات کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ وہاں مردود نمازوں کا حال بھی بہت کھول کر بلاشک وشبہ بڑی تفصیل سے بیان فرماتا ہے۔

ان نمازوں میں سے جو رد کر دی جاتی ہیں جو فائدے کی بجائے نقصان پہنچاتی ہیں جن کے متعلق یہاں تک بھی فرمایا فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ (الماعون: ۵) ہلاکت ہو ان لوگوں کے لئے جو ایسی نمازیں پڑھتے ہیں۔ یعنی نمازیں رحمت کی بجائے اپنے پڑھنے والے پر لعنت ڈالتی ہیں۔ ان نمازوں کی تفصیل جہاں جہاں بھی ملتی ہے ان میں دو شرطیں بڑی نمایاں دکھائی

دیتی ہیں ۔ یہ آیات جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ان میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ منافق انسان اللہ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے مگر درحقیقت خدا کی تقدیر اسے دھوکا دے دیتی ہے اور جس ذریعہ سے وہ خدا کو دھوکا دینا چاہتا ہے وہ ذریعہ اس پر الٹ پڑتا ہے ۔وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ ان لوگوں کی ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ جب بھی وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں سستی اور کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ان میں فروتنی نہیں پائی جاتی، ان میں جوش اور ارادہ اور ذوق نہیں پایا جاتا۔یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں، ریا کاری کے جذبے کی خاطر نمازیں ادا کرتے ہیں۔وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا اور جہاں تک یاد الٰہی کا تعلق ہے ان کی نمازیں عملاً یاد الٰہی سے خالی ہوتی ہیں۔مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖ وہ دو باتوں کے درمیان تذبذب میں پڑے رہتے ہیں۔یعنی دنیا اور خدا کے مابین لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ نہ وہ ادھر کے رہتے ہیں نہ وہ ادھر کے رہتے ہیں۔نہ دنیا ہی کے ہوتے ہیں۔نہ خدا کے ہو جاتے ہیں اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو اس کے لئے پھر کوئی حق پانے کی راہ نہیں پائے گا۔کوئی راستہ نہیں دیکھے گا جس کے ذریعہ وہ ہدایت پا سکے۔

ان آیات میں جن نمازوں کے متعلق بڑا شدید انذار پایا جاتا ہے جب بعض مومن قرآن کریم کی ان آیات سے گزرتے ہیں تو لرز جاتے ہیں اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اکثر انسانوں کی نماز میں كُسَالٰى کی حالت تو بہت کثرت کے ساتھ ملتی ہے۔خواہ ریا کا پہلو اس میں ہو یا نہ ہو لیکن ہلاکت کے جن کیڑوں کا ذکر ہے ان میں كُسَالٰى کا کیڑا یعنی ایسی حالت میں نماز پڑھتے ہیں کہ وہ کاہلی اور سستی اور غفلت اور بے توجہگی کا شکار ہو جاتے ہیں یہ تو بڑی کثرت سے عام ملتے ہیں اس لئے کیا ایسی نمازیں انسان کو فائدے کی بجائے نقصان تو نہیں پہنچائیں گی۔کیا بہتر نہیں ایسی نمازوں سے کہ انسان ان نمازوں کو ترک کر دے اور اس خطرے کی راہ سے کہ گزرے ہی نہ جہاں خود نمازیں انسان پر لعنتیں ڈال رہی ہوں۔

یہ خیال درست نہیں، یہ اندیشہ محض ایک وہمہ ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے كُسَالٰى کی حالت کو یُرَآءُوْنَ کی حالت کے ساتھ باندھ کر ہر جگہ اس مضمون میں ایک ہی قسم

کی روش اختیار فرمائی ہے۔ کہیں ایک جگہ بھی محض غفلت کی حالت میں نماز پڑھنے کو وہ گناہ اور وہ جرم قرار نہیں دیا جس کے نتیجہ میں نماز انسان کو ہلاکت کی طرف لے جائے۔ خیالات کی یورش کے نتیجہ میں کہیں بھی قرآن کریم نے ذکر نہیں فرمایا کہ ایسے شخص کی نماز لازماً رد کر دی جائے گی اور وہ گناہ کا موجب بنے گی ۔ بعض جوڑے مل کر ایک مکمل مضمون بناتے ہیں اور جہاں جہاں بدنمازوں کا ذکر ہے۔ مہلک نمازوں کا ذکر ہے وہاں آپ ریا اور غفلت کا جوڑا اکٹھا پائیں گے۔ یعنی جرم بنانے کے لئے نماز کو ان دو شرائط کا اکٹھا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ دوسری آیت جس کی میں نے تلاوت کی تھی اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (الماعون: ۵-۸) ہلاکت ہو ان نمازیوں پر ، لعنت پڑے ان نمازیوں پر الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ وہ جو اپنی نمازوں سے غفلت اختیار کرتے ہیں اور پھر بغیر تردد کے بغیر روک کے بغیر عطف ڈالے فرمایا الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ یعنی ان غفلت کرنے والے نمازیوں پر لعنت ہو جن میں ریا کا پہلو پایا جاتا ہے۔ پھر ایک اور آیت میں فرمایا وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ (التوبہ: ۵۴) اس پوری آیت میں بھی ایسے نمازیوں کا ذکر ہے جو ریا کاری کی خاطر دل میں ایمان نہ رکھتے ہوئے بھی نمازیں ادا کرتے ہیں۔ اور ان میں یہ دو صفات پائی جاتی ہیں کہ وہ نمازیں غفلت کی حالت میں ادا کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں اور بہت بوجھ محسوس کرتے ہیں۔

پس پہلی بات تو یہ ذہن نشین کرنی چاہئے کہ وہ مقتدی اور وہ سالک جو بے اختیاری کی حالت میں نماز کے مغز کو نہیں پا سکتا اس کی روح کو نہیں پہنچ سکتا جس کو معلوم نہیں ہے کہ اس راہ میں کیسے چلنا ہے، جو دیانت داری سے کوشش تو کرتا ہے لیکن ٹھوکریں کھاتا ہے، گرتا پڑتا ہے۔ چاہتا ہے کہ محبوب کی منزل تک پہنچ جاؤں لیکن بے اختیاری اور مجبوری کی حالت میں راستے کی ٹھوکروں کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ ایسے نمازی پر قرآن کریم نے کہیں بھی لعنت نہیں ڈالی اور ایسی نماز کے مردود ہونے کے متعلق کوئی اعلان نہیں فرمایا۔ بلکہ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کی حالت ہی بتا رہی ہے کہ مومن کی نمازوں کو یہ خطرات لاحق ہوں گے اور وہ ہر وقت اپنی نمازوں کو کھڑا کرنے کی، استقامت بخشنے کی

کوشش کرتا رہے گا لیکن سوال یہ ہے کہ پھر وہ کیا طریق ہیں جن کے ذریعہ ہم اپنی نمازوں کو درست کریں اور جن کے ذریعہ ہماری نمازوں کا قبلہ درست ہو جائے؟

اس کے لئے نماز سے باہر حل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے خود نماز کے اندر ان مسائل کا حل موجود ہے۔ وہ شخص جو نیک نیتی سے اللہ تعالیٰ کی جانب اپنی توجہات مرکوز کرنی چاہتا ہے جو دیانت داری سے کوشش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری حاجات اور میری مناجات اور میری آرزوئں اور امنگوں کا قبلہ بن جائے ایسے شخص کے لئے خود نماز میں وہ نظام موجود ہے جو اس کے قبلہ کو درست کرتا رہتا ہے اور اس کا قبلہ درست کرنے میں اس کا مددگار بنتا ہے۔

سب سے پہلے سب سے اہم بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اللہ اکبر کی اتنی تکرار کیوں ہوئی اور کیوں نماز کے ہر موڑ پر ہمیں اللہ اکبر کہنے کی ہدایت ہوئی؟ آغاز پہ بھی اللہ اکبر اور پھر ہر حرکت جو نماز میں کی جاتی ہے۔ سوائے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنۡ حَمِدَہٗ' یا آخری السلام علیکم کے، وہ تو نماز سے باہر لے جانے والی ہے۔ اس لئے اس کا تعلق نہیں۔ سمع اللہ لمن حمدہ کی ایک مختلف صدا کے علاوہ ہر حرکت پر اللہ اکبر کی صدا بلند کرنے کا حکم ملتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ اکبر قبلہ نما ہے۔ اللہ اکبر یہ بتاتا ہے کہ تمہارا قبلہ کس طرف تھا اور تمہیں کس طرف منہ کرنا چاہئے کیونکہ انسان کی نماز میں جو مختلف وساوس اس کی توجہ پھیرتے ہیں، مختلف خیالات جو اس کا رخ خدا سے ہٹا کر دوسری چیزوں کی طرف بدل دیتے ہیں وہ کئی قسم کے ہیں مثلاً تفکرات ہیں۔

اب تفکرات کا تو منافقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہر انسان کو تفکرات لگے ہوتے ہیں لیکن فرق صرف یہ ہے کہ جو دنیا دار ہیں اور بہت ہی ابتدائی مبتدی ہیں یعنی بہت ہی شروع کے راہ چلنے والے ان کے تفکرات زیادہ تر دنیا کے تفکرات ہوتے ہیں۔ نماز پر جگہ جگہ تفکرات پہرے لگا دیتے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ مبذول کرنے سے روکتے رہتے ہیں اور جو خدا کے زیادہ پاک بندے ہوں جو زیادہ اس راہ میں آگے چلنے والے ہوں ان کو بھی بعض دفعہ تفکرات پریشان کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بعض اوقات نماز کے دوران عبادت کے دوران تفکرات آ کر گھیر لیتے تھے لیکن وہ تفکرات دین کے تفکرات تھے، وہ اللہ کے غم تھے، اللہ کے راستے کی فکریں تھیں۔ پس انسان بہرحال انسان ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں توجہ مرکوز کرنے

کے لئے تفکرات ایک روک بنتے ہیں۔ایک اور فرق یہ ہے کہ مبتدی کے تفکرات اس کی نماز پر غالب آجاتے ہیں اور خدا کی راہ میں آگے بڑھنے والے یا نمازوں میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے والوں کے تفکرات پر وہ وجود غالب آجایا کرتے ہیں اور جھٹک کر ان تفکرات کو پھینک دیتے ہیں۔

پس ہر موڑ پر جب آپ **اللہ اکبر** کی آواز بلند کرتے ہیں۔تو **اللہ اکبر** آپ کو بتاتا ہے کہ خدا سب سے بڑا ہے۔تفکرات کی اس وجود کی نگاہ میں جس کا خدا سے تعلق ہے کوئی قیمت نہیں رہنی چاہئے۔تفکرات خواہ وہ دنیا کے ہوں یا دین کے ہوں **اللہ اکبر** دل کو تسلی بھی دیتا ہے،حوصلہ بھی دلاتا ہے اور قبلہ بھی درست کرتا ہے۔فرماتا ہے کہ تفکرات کے نتیجہ میں تمہیں خدا کی طرف رخ کرنا چاہئے اور تم خدا کی طرف سے رخ ہٹا کر تفکرات کی طرف رخ کرنے لگے ہو۔پس **اللہ اکبر** نماز کے لئے قبلہ نما ہو جاتا ہے۔

پھر بعض دفعہ انسان کی آرزوئیں اس کی توجہ خدا کی طرف سے ہٹا دیتی ہیں۔کوئی سیر کا شوق رکھتا ہے،کوئی کھیل کا شوق رکھتا ہے،کوئی دوستوں میں مجلس لگانے کا شوق رکھتا ہے،کوئی ریڈیو کا شوق رکھتا ہے،کوئی ٹیلی ویژن کا شوق رکھتا ہے،کسی کو کتابیں پڑھنے کی عادت ہے،کوئی دلچسپ کتاب پڑھتے پڑھتے نماز کا وقت آگیا کتاب الٹا کر نماز کی طرف بھاگا اور پھر کتاب نے وہ زنجیریں پہنا دیں اس کے خیالات کو،نماز پڑھتے پڑھتے کتاب کا مضمون دوبارہ ذہن میں آنے لگتا ہے۔بھوکے کو کھانے کی طرف توجہ نماز نہیں پڑھنے دیتی۔بار بار نماز میں یہ خیال آتا ہے کہ نماز ختم کروں تو میں کھانا کھاؤں۔اکثر نمازوں میں کُسَالیٰ کی حالت انہی وجوہات سے پائی جاتی ہے یعنی وہ لوگ جو ارادۃً منافق نہ ہوں جو ارادۃً گناہگار نہ ہوں عملاً ان کی نماز میں بھی فی الحقیقت نفاق کا ایک رنگ تو ضرور پایا جاتا ہے۔یعنی وہ رنگ جو بشری کمزوری سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بار بار دیگر توجہات انسان کا چہرہ اپنی طرف موڑ لیتی ہیں۔

پس **اللہ اکبر** کی تکرار ہر ایسے موقع پر الگ الگ معنی لے کر آپ کے سامنے آئے گی۔**اللہ اکبر** بتائے گا کہ تم تو کہتے تھے کہ خدا سب سے بڑا ہے،اب تمہیں کھانا سب سے بڑا لگ رہا ہے۔تم تو کہتے تھے کہ خدا سب سے بڑا ہے،اب تمہیں ٹیلیویژن سب سے بڑی لگ رہی ہے۔تم تو کہتے تھے خدا سب سے بڑا ہے اب تمہیں ریڈیو بہت بڑا لگنے لگ گیا ہے۔تم تو کہتے تھے خدا سب

سے بڑا ہے اب فلاں کھیل تمہیں زیادہ بڑی لگنے لگی ہے۔ دوستوں کی مجلس زیادہ بڑی محسوس ہو رہی ہے۔ تو نماز کا قبلہ درست کرنے کے لئے اللہ اکبر ایک حیرت انگیز کام دکھلاتا ہے لیکن اس کے لئے جس کی توجہ اللہ اکبر کے مضمون کی طرف رہے کم سے کم جب وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ اکبر رکھنے کا ایک اور بہت اچھا فائدہ ہے، بہت عظیم فائدہ ہے کہ حرکت انسان کو سوچوں سے بیدار کر دیا کرتی ہے، حرکت انسان کو ایک مخمصہ میں پھنسے ہوئے انسان کو اچانک جھنجھوڑ کر بیدار کرتی ہے، ہلاتی ہے اور وہ بہترین وقت ہوتا ہے اسے سمجھانے کا کہ تم جانا کسی اور طرف چاہتے تھے جا کسی اور طرف رہے ہو۔

پس اللہ اکبر کی تکرار اگر آپ سمجھ کر کریں تو نفسیاتی حالت بھی اس وقت ایسی ہوتی ہے کہ انسان اس کے اثر کو زیادہ قبول کر سکتا ہے۔ پس جہاں تک اللہ اکبر کا تعلق ہے یہ نماز کا قبلہ درست کرتا ہے۔ جہاں تک نماز کا تعلق ہے یہ انسان کا قبلہ درست کرتی ہے۔ نمازی کا قبلہ درست کرتی ہے اور اس کے نتیجہ میں ایک اور بڑا فائدہ نفس کے تجزیے کا حاصل ہو جاتا ہے۔ ہر انسان نماز کے قبلہ نما کے ذریعہ یہ محسوس کر سکتا ہے کہ میری حقیقی توجہ کا مرکز کہاں تک خدا ہے اور کہاں تک دوسری خواہشات ہیں۔ کس حد تک میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا اہل ہوا ہوں اور کس حد تک نہیں ہو سکا۔ پھر خیالات مختلف حالتوں میں پکڑے جائیں گے۔ ہر اللہ اکبر کے وقت وہ شخص جس کی توجہ خدا کی طرف قائم نہیں وہ انسان اپنے خیالات کو مختلف حالتوں میں پکڑے گا اور اس وقت وہ صحیح اندازہ کر سکتا ہے کہ میری اندرونی شخصیت کیا ہے؟ کس حد تک میں خدا کا ہوں؟ کس حد تک میرے دعووں میں سچائی ہے؟ کتنی مجھ میں خامیاں ہیں اور کس نوع کی خامیاں ہیں؟ خدا کی راہ میں روکیں پیدا کرنے والے وساوس اور نفسانی شیاطین کون کون سے ہیں؟ ان کی شکلیں کیا کیا ہیں؟ اور ان کو درست کرنے کا انسان کو ایک بہترین موقع میسر آ جاتا ہے کیونکہ جب دشمن پہچانا جائے اس وقت دشمن کو شکست دینا زیادہ آسان ہوتا ہے بہ نسبت ایسے دشمن کے جو نہ پہچانا جائے نہ پتہ چلے کہ کس سمت سے حملہ کر رہا ہے۔ تو نمازیں قبلہ نما بھی ہیں اور دشمن کی تعیین کرنے میں بھی بہت مدد کرتی ہیں اور اس سلسلہ میں سب سے اہم کردار بار بار کی تکبیر ادا کرتی ہے۔

پھر عمومی طور پر یہ بات ہر انسان کی فہم میں آ جاتی ہے کہ جس چیز کی کشش زیادہ ہو وہ اس

چیز کے مقابل پر جس کی کشش کم ہو زیادہ قوت کے ساتھ اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ویسے تو دنیا میں ہر چیز ایک دوسرے کو کھینچ رہی ہے۔ کوئی ایک بھی ذرہ نہیں جو دوسرے ذروں کو اپنی طرف نہ کھینچ رہا ہو اور دوسرے ذرے اسے اپنی طرف نہ کھینچ رہے ہوں لیکن ہم آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا نہیں جاتے، ہم دیواروں کے ساتھ نہیں چمٹ جاتے ہم پہاڑوں کے ساتھ نہیں لگ جاتے۔ اس لئے کہ زمین کی کشش عمودی طور پر ہمیں زیادہ قوت کے ساتھ اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ تو اس پہلو سے ہم بعینہٖ تعیین کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کشش کے مقابل پر کون کون سی وہ قوتیں ہیں جو ہم پر بار بار اثر انداز ہوتی ہیں اور ہمارے قبلہ کو ٹیڑھا کرتی ہیں اور کیوں خدا کی کشش ان پر غالب نہیں آتی۔ اس نقطہ نگاہ سے جب آپ نمازوں میں اپنے نفس کے تجزیے کے عادی ہو جاتے ہیں اور بار بار اللہ اکبر کی مدد سے اپنے اندرونی فسادات کی تعیین کرتے ہیں تو آپ کو اپنے اندر ایک نہیں بلکہ متعدد مخفی بت نظر آئیں گے اور شرک خفی کی مختلف صورتیں اپنے وجود کے اندر دکھائی دینے لگیں گی۔ پس اس صورت میں نماز ایک آئینہ بن جاتی ہے جو آئینہ خانے کا سا منظر پیدا کرتی ہے۔ یعنی جس سمت میں آپ دیکھیں گے نماز کے آئینہ خانے میں آپ کو کوئی نہ کوئی مخفی بت، کوئی شرک کا دبا ہوا پہلو دکھائی دینے لگے گا اور اس کی تصحیح کرتے وقت آپ ہر کوشش کے بعد نسبتاً زیادہ موحد بنتے چلے جائیں گے، زیادہ خدا کے قریب ہوتے چلے جائیں گے۔

پس یہ جو خدا کی جانب حرکت ہے یہ وہ مقبول چیز ہے جو کمزور انسان کی نماز کو قبولیت کے مقام تک پہنچاتی رہتی ہے۔ اس لئے یہ خیال یہ وہم باطل ہے کہ ایک کمزور انسان کی نماز کلیۃً رد کر دی جاتی ہے۔ اس لئے اسے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوشش اور جدوجہد کے ساتھ انسان نماز پڑھتا ہے تو ہر خفیف سا فرق بھی جو پہلی حالت سے پڑتا ہے۔ اس خفیف سے فرق کو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ وہ معمولی سی حرکت بھی جو غیر اللہ سے اللہ کی جانب کی جاتی ہے اسے اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۸ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۹ (الزلزال: ۸-۹) کہ تم جانتے نہیں کہ خدا تعالیٰ کتنا لطیف اور خبیر ہے اور کتنا اپنے بندوں کو نوازنے والا ہے۔ معمولی سے معمولی، ذرہ سے ذرہ نیکی بھی جو تم کرتے ہو وہ بھی ضائع نہیں جاتی، وہ بھی خدا کی راہ

میں مقبول ہو جاتی ہے۔ پس ایک لمبی جدو جہد جو نمازی دیانت داری سے خدا کی جانب اپنا رخ درست کرنے کے لئے کرتا ہے۔اس کا ہر پہلو اسے خدا کے قریب کر رہا ہوتا ہے۔اس کی ہر آئندہ نماز پہلے کی نسبت زیادہ سنورتی چلی جاتی ہے اس لئے نماز تو ایک بہت ہی عظیم الشان جہاد ہے۔ بہت ہی وسیع جہاد ہے جو بہت لمبا عرصہ ایک زندگی چھوڑ کر اگر مسلسل کئی زندگیاں انسان کو ملیں اور وہ یہ جہاد کرتا چلا جائے تب بھی اس کا دوسرا کنارا نہیں آئے گا لیکن اس تمام جہاد کے دوران جسے خواہ ساری انسانی عمر پر بھی پھیلا دیا جائے۔تب بھی کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں آئے گا جہاں وہ کھڑا ہو جائے کیونکہ اس کی نماز کی حالت درست کرنے کے لئے خود نماز میں ایسی مواجہ موجود ہیں ایسے محرکات موجود ہیں، جو ہر وقت اس کو ایک نیا حسن عطا کرتے چلے جاتے ہیں۔

دوسرا پہلو جس کی طرف نظر کرنے سے نماز کو بہتر بنانے کی راہ ملتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ عمومی پہلو ہے جو ہر چیز پر صادق آتا ہے کہ نماز کے ہر حصہ میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس پر انسان غور کرے اور اس غور کے درمیان اسے بہت سی باتیں ملنی شروع ہو جائیں گی۔نماز کی حالت میں نماز کے اجزاء پر غور، ان باتوں پر غور جو انسان نماز میں پڑھتا ہے وہی ذکر اللہ ہے۔اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ فہم اللہ تعالیٰ کی عظیم صفات کا زیادہ بہتر علم اور خدا تعالیٰ کی صفات کے رنگ اپنانے کے زیادہ اچھے مواقع میسر آنے لگتے ہیں اور بہت سی ایسی باتیں انسان کو معلوم ہو جاتی ہیں جو بغیر غور کے اگر کروڑ دفعہ بھی آپ نماز میں سے گزر جائیں تب بھی آپ کو معلوم نہیں ہوں گی۔یعنی نماز کی راہ میں بے شمار معارف بچھے ہوئے ہیں۔ہم روزان سے گزرتے ہیں لیکن توجہ نہیں کرتے، غور نہیں کرتے کہ کن حالتوں میں سے ہم گزرتے چلے جارہے ہیں۔مثلاً جب ہم کہتے ہیں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۶-۷) تو یہ دعا ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں۔کوئی نماز قائم ہی نہیں رہ سکتی۔سورۃ فاتحہ نماز کی زندگی ہے۔جب تک سورۂ فاتحہ کو اس کی ہر رکعت میں ادا نہ کیا جائے۔

اس کے جو پہلے حصے ہیں ان پر مختلف وقتوں میں میں روشنی ڈالتا رہا ہوں لیکن اس سے بہت زیادہ گہرائی کے ساتھ اور وسعت کے ساتھ اور عرفان کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سورۂ فاتحہ کے عظیم الشان محاسن پر روشنی ڈال چکے ہیں۔لیکن سورۂ فاتحہ تو محدود نہیں ہے۔اس کا

مضمون تو ہمیشہ جاری رہے گا اور تمام سمندر بھی خشک ہو جائیں تب بھی سورۃ فاتحہ کے معارف کا احاطہ نہیں کر سکتے اس لئے ہر دور میں اس کے نئے نئے مطالب کی طرف انسان کی توجہ پھرتی رہے گی۔ اور ہر نمازی کو، ہر نمازی کو میں پھر تکرار سے کہتا ہوں کہ اگر وہ نماز میں سورہ فاتحہ پر بھی غور کرے تو ہر رکعت میں، ہر آیت میں نئے مطالب نظر آنے شروع ہوں گے جو اس کی اپنی کیفیات اپنی حالتوں کے مطابق ہوں گے اور یہ اتنا وسیع مضمون ہے کہ ہر انسان جو سورہ فاتحہ کو ادا کرتا ہے اس کے ظرف کے مطابق اس کے معانی میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور ہوگی اس لئے اگر ارب ہا ارب انسان بھی سورۃ فاتحہ پر غور کریں گے تو ان کے ظرف میں سورۂ فاتحہ کے جو معانی جھلکیں گے۔ وہ دوسرے انسانوں سے کسی نہ کسی پہلو سے ضرور مختلف ہوں گے۔ بہرحال یہ جو کوشش ہے کہ جو انسان نماز میں پڑھے اس میں ڈوبنا شروع کرے اس پر غور کرنا شروع کرے تو اس سے نمازوں کی کیفیت میں بہت ہی زیادہ حسن پیدا ہو جاتا ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ نئے نئے عرفان عطا فرماتا چلا جاتا ہے۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ کی دعا خصوصیت کے ساتھ نماز کو سیدھا کرنے اور نماز کو درست کرنے میں مددگار بنتی ہے۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ کی دعا سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جو صِـــراط ہم مانگ رہے ہیں وہ نماز ہی میں سے ہو کر گزرتی ہے۔ وہ راستہ جس پر سارے انعام پڑے ہیں وہ نماز ہی کا راستہ ہے اور جب تک ہم نماز کی راہ پر چل کے ان انعامات کو پانے کی کوشش نہیں کریں گے محض ایک خوابوں کی دنیا میں بس رہے ہوں گے، حقیقت میں وہ انعام ہمیں کبھی بھی میسر نہیں آسکتے۔ اس مضمون پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کیوں نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کو ضروری قرار دیا۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ میں انعام پانے والوں کے رستے جو معین کئے گئے قرآن کریم سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان میں چار انعامات، چار مراتب نصیب ہوتے ہیں۔ پہلا مرتبہ صالحیت کا ہے، دوسرا شہادت کا، تیسرا صدیقیت کا اور چوتھا نبوت کا۔ تو نماز جس حد تک درست ہوگی اور سنورے گی اس حد تک انسان درجہ بدرجہ ان مراتب کے قریب ہوتا چلا جائے گا یا ان کو پاتا چلا جائے گا۔

پس یاد رکھیں اگر آپ کی نماز صالح نہیں ہے تو آپ اس رستے پر نہیں چل رہے جس پر صالحیت کا انعام پڑا ہوا ہے۔ نماز صالح ہوگی تو آپ صالح کہلائیں گے۔ اگر نماز فاسد رہے گی تو وہ

انسان جو فاسد نماز پڑھتا ہے وہ صالح نہیں بن سکتا۔اس لئے ایک ذرہ بھی نماز سے باہر نعمت نہیں ہے ساری نعمتیں نماز کے اندر آ گئی ہیں۔

شہادت کے متعلق عموماً یہ تصور پایا جاتا ہے کہ گویا صرف خدا کی راہ میں جان دینے کا نام شہادت ہے حالانکہ بعض اوقات خدا کی راہ میں جان ایسی حالت میں بھی لی جاتی ہے جب انسان بے اختیار ہوتا ہے مجبور ہوتا ہے۔جاتی تو خدا کی راہ ہی میں ہے مگر کسی حملہ کرنے والے نے حملہ کر دیا، اس میں انسان بے بس تھا، مجبور تھا۔موت کے منہ میں آنکھیں ڈال کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے جان دینا اور چیز ہے اور خدا کی راہ میں خدا کی خاطر ویسے مر جانا اور چیز ہے۔تو شہادت کے بھی بہت سے مراتب ہیں یعنی ہر شہید کا مقام ایک نہیں رہتا اسی لئے حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب شہید کی شہادت کے اوپر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک کتاب لکھی اور اس کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ شہادت بظاہر ایک لقب ہے لیکن اس کے اندر بھی اتنے مراتب ہیں کہ وہ سفر بھی لگتا ہے کبھی ختم ہی نہیں ہوسکتا۔یعنی یہ نہیں ہے کہ آپ صالحیت میں داخل ہوئے اور اچانک صالحیت ختم ہوئی اور پھر شہادت کی طرف چل پڑے۔ایک لمبا دور ہے صالحیت کا جو بعض دفعہ انسان کی ساری زندگی پر حاوی ہوتا ہے۔تب بھی صالحیت کے اندر بھی انسان کا سفر ختم نہیں ہوتا اور اگلے مقام کی باری ہی نہیں آتی۔تو وہ شہادت بھی ہے جو جان دینے سے ملتی ہے لیکن اس کے پیچھے ایک روح ہے۔اگر وہ روح موجود نہ ہو تو وہ شہادت، شہادت نہیں ہے۔اور شہید نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ شہید ہونے والا خدا کو روبرو دیکھ رہا ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ میرا ایک خدا ہے جس کی طرف میں جاؤں گا۔جس حد تک یہ حضوری کا مقام کسی کو نصیب ہوتا ہے۔جس حد تک اس کی اس گواہی میں قوت پائی جاتی ہے اور ذاتی تجربہ پایا جاتا ہے کہ ہاں ایک خدا ہے اس حد تک شہادت کا مقام بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے اور پھر یہ مقام ایک ایسا مقام ہے جو خدا کی راہ میں ایک دم جان دینے کے سوا بھی ملتا ہے۔

یہ غلط ہے کہ صرف جان دینے والوں کو شہید کہا جاتا ہے۔انبیاء بھی شہید ہوتے ہیں اور انبیاء میں صالحیت اور شہادت اور صدیقیت اور نبوت یہ چاروں مراتب الگ الگ نہیں ہوا کرتے کہ نبی پہلے صالح تھا پھر شہید ہوا پھر شہادت سے نکل کر وہ صدیقیت میں داخل ہوا پھر صدیقیت سے نبوت میں داخل ہوا بلکہ ان کو چاروں مراتب بیک وقت حاصل ہوتے ہیں۔اور ہر مرتبہ اپنے درجہ

کمال کو پہنچا ہوتا ہے۔ تبھی قرآن کریم نے انبیاء کے لئے صالح کا لفظ بھی استعمال فرمایا، صدیق کا لفظ بھی استعمال فرمایا، شہید کا لفظ بھی استعمال فرمایا۔ صدیق کا بھی اور نبی کا بھی اور جو کم فہم لوگ ہیں بعض جو غور نہیں کرتے وہ سمجھتے ہیں کہ بعض نبی صالح ہیں بعض صدیق ہیں بعض شہید ہیں ۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا ہر نبی لازماً صالح بھی ہوتا ہے، لازماً شہید بھی ہوتا ہے، لازماً صدیق بھی ہوتا ہے اور لازماً نبی بھی ہوتا ہے۔

تو زندگی میں شہادت پانے کا گر نماز سکھاتی ہے اور زندگی میں شہادت پانے کا صرف گر ہی نہیں سکھاتی بلکہ بتا دیتی ہے کہ ہاں تمہیں شہادت نصیب ہوگئی۔ پس وہ نماز جس میں خدا غائب سے حاضر میں آجاتا ہے، وہ نماز جو عالم الغیب والشھادۃ کو عالم غیب سے عالم شہود میں اتار دیتی ہے۔ وہی نماز ہے جو شہادت کا مقام رکھتی ہے اور وہی نماز ہے جو نمازی کو شہید بنا دیتی ہے۔ پھر خواہ اس کی جان خدا کی راہ میں جائے یا نہ جائے اس کا اٹھنا بیٹھنا، اس کا مرنا جینا سب کچھ خدا کے لئے ہو جاتا ہے۔ پس نماز کے ذریعہ آپ کو شہادت بھی نصیب ہوگی اور جب تک نماز کی شہادت نصیب نہیں ہوتی۔ باقی شہادتیں اس کے مقابل پر کوئی بھی معنی نہیں رکھتیں۔ اور وہ شہادت جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق احسان کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ جب آپ توجہات کو درست کر لیں۔ جس کے لئے ایک بڑی لمبی محنت چاہئے اور لمبی محنت کے بعد بھی خطرے سے خالی پھر بھی نہیں رہیں گے۔ اعلیٰ مقام پر پہنچیں گے تو اعلیٰ قسم کے وساوس آپ پر حملہ کریں گے لیکن کریں گے ضرور۔ جب اس حالت کو درست کریں اور اس حالت کے دوران خدا کے حضور حاضر ہونے کی حالت پیدا کر لیں گے۔ گویا خدا کو دیکھ رہے ہیں اور خدا آپ کو دیکھ رہا ہے۔ وہ مقام شہادت ہے جو اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ ﴿۶﴾ کی دعا ہمیں بتاتی ہے کہ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ۔ اے خدا! ہم عبادت کی راہ سے تجھ سے وہ راہ تلاش کرنے آئے ہیں۔ جو راہ ان چاروں مقامات تک بالآخر انسان کو پہنچا دیتی ہے۔ پس صدیقیت بھی اسی مقام کے آخر پر ہے۔ اسی عبادت کے آخر پر تو نہیں کہنا چاہئے آخری مقام سے پہلے ایک مقام آتا ہے اور وہ مقام بھی کوئی ایسا مقام نہیں جو ایک دم شروع ہوا اور ایک دم ختم ہوا۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے تمام زندگی بلکہ زندگیوں کے تسلسل بھی ان مقامات پر حاوی نہیں ہو سکتے ۔ یہ اللہ تعالیٰ

کا احسان ہے کہ جن کو بیک وقت وہ سارے مقام عطا فرماتا ہے۔ پھر ان مقامات کی لذتیں بھی ان کو بخشتا ہے اور وہ چاروں مقامات کا حق ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ایک انسان اگر صالحیت کے مقام پر بھی پہنچ جاتا ہے تو ایک بہت عظیم الشان مقام ہے۔ اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے نماز سے آپ پہچان لیں گے نماز صالح ہوگئی تو آپ صالح ہو گئے نماز شہید ہوگئی تو آپ بھی شہید بن گئے، نماز صدیق ہوگئی تو آپ بھی صدیق ہو گئے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازوں کے متعلق فرمایا کہ تم کہیں غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ ابوبکر بھی تو ہماری جتنی نمازیں پڑھتا ہے یا ہمارے جیسے پڑھتا ہے اس کی نمازیں بعض ایسی ہیں جو تمہاری عام نمازوں سے ستر گنا زیادہ مرتبہ رکھتی ہیں۔ ستر گنا تو ایک تکمیل کا لفظ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعینہٖ ستر عدد شمار کر کے اتنے گنا بلکہ ستر کا لفظ عربی میں تکمیل کے معنی دیتا ہے۔ ایک وسعت کے معنی دیتا ہے، بہت زیادہ کے معنی رکھتا ہے۔

دوسرا حصہ جو سورہ فاتحہ کے بعد یا تلاوت کے بعد ہمارے سامنے آتا ہے وہ تلاوت ہے۔ اب تلاوت کے لئے بھی انسان کو ایک سے زیادہ آیات مختلف نمازوں کے لئے یاد رکھنی چاہئیں۔ عموماً بچپن میں جب ہم نمازیں سکھاتے ہیں تو بچوں کو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سکھا کر یہ بتا دیا جاتا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد ان دو رکعتوں میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ لینا اور بعد میں آخری دو رکعتیں اگر ہوں تو ان میں بغیر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے بھی نماز ہو گی لیکن یہ سمجھایا نہیں جاتا یعنی اس توجہ اور شدت کے ساتھ سمجھایا نہیں جاتا کہ یہ کم سے کم ہے اور اس سے زیادہ تمہیں یاد کرنا چاہئے کیونکہ نماز کی حالت میں تلاوت ایک اور رنگ رکھتی ہے۔ نماز کے بغیر تلاوت ایک اور رنگ رکھتی ہے۔ اور قرآن کریم نے جب یہ فرمایا اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۹﴾ (بنی اسرائیل: ۷۹) تو یہاں فجر کی نماز کی تلاوت مراد ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز کی تلاوت کو بہت لمبا کیا کرتے تھے اور صحابہ بھی آپ کے رنگ میں فجر کی نماز میں تلاوت کو بہت لمبا کرنے کے عادی ہوتے تھے۔ پس اگر اتنا لمبا نہ بھی سہی تو کیوں فرق کیا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرق کیوں کیا۔ باقی نمازوں کی تلاوتوں کے مقابل پر صبح کی نماز کی تلاوت کو کیوں لمبا؟ اس لئے کہ آپؐ سمجھتے تھے کہ قرآن کریم

کیا فرماتا ہے وہاں قُرْاٰنَ الْفَجْرِ سے مراد محض عام تلاوت نہیں بلکہ فجر کی نماز میں قرآن کی تلاوت ہے۔ اگر فجر کے مضمون کو لمبا کیا جائے تو فجر سے پہلے تہجد کی نماز کی تلاوت پر بھی اطلاق پا سکتا ہے۔

تو تلاوت کے رنگ بدلنے چاہئیں ۔ تلاوت میں تنوع پیدا کرنا چاہئے اور جب آپ تلاوت کے مضمون میں داخل ہوں گے تو ہر آیت جو آپ چنتے ہیں وہ اپنے ساتھ ایک نیا پیغام لے کر آئے گی، ایک نیا مضمون آپ پر کھولنا شروع کرے گی۔ پس اپنے بچوں کو ایک سے زیادہ سورتیں یاد کرائیں خواہ مختصر ہوں اور معانی کے ساتھ یاد کرائیں اور یہ سمجھا کر یاد کرائیں کہ جب تم نماز پڑھو تو ان کے معانی سے گزرو۔ یہ مضمون تو بہت لمبا ہے میں ایک حصہ صرف فی الحال بیان کر کے اس کو ختم کروں گا۔ اس کے بعد پھر انشاء اللہ بعض دوسرے پہلوؤں پر آئندہ روشنی ڈالوں گا۔

سبحان ربی العظیم جب ہم رکوع میں جاتے ہیں تو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم پڑھتے ہیں۔ **عظیم** کا کیا معنی ہے اور سُبْحَانَ ساتھ کیوں پڑھا جاتا ہے اور رَبِّی کیوں کہتے ہیں رَبَّنَا کیوں نہیں کہتے؟ یہ سارے خیال انسان کے دل میں اٹھتے ہیں۔ یہ سارے سوال پیدا ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تو میں ''عظیم'' کے معنی بتاتا ہوں۔ کہ **عظیم** کے معنی ہیں کیا؟

عظیم کا لفظی اردو میں ترجمہ تو بڑا ہے۔ ''بہت بڑا''۔ لیکن **اللہ اکبر** کا مطلب بھی بڑا ہے ''اللہ سب سے بڑا ہے''۔ کبیر کا مطلب بھی ''بڑا'' ہے۔ عظیم میں باقی بڑائی کے مقابل پر کیا فرق پایا جاتا ہے۔ **عظیم** لفظ حجم پر بھی بولا جاتا ہے اور وسعت پر بھی۔ اس میں لمبائی اور طوالت کے معنے نہیں پائے جاتے بلکہ وسعت حجم کے لحاظ سے اگر ظاہری طور پر لفظ اطلاق کریں عظیم الجثہ کہتے ہیں ایسے شخص کو جو بہت بڑا پھیلا ہوا جثہ رکھتا ہو۔ عظیم پہاڑ ہوتا ہے اور طوالت کے معنی اس لحاظ سے ضرور پیدا ہو جاتے ہیں کہ عظمت کو اونچائی کی طرف دیکھیں تو وہ طوالت بن جاتی ہے۔ چوڑائی کی طرف دیکھیں تو وہ چوڑائی ہو جاتی ہے اور بحیثیت مجموعی حجم کا تصور عظمت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ افق تا افق پھیلی ہوئی چیز عظیم ہو گی ۔ زمین و آسمان پر یکجائی نظر ڈالیں تو وہاں کبیر کا لفظ نہیں ذہن میں آئے گا بلکہ عظیم کا لفظ آئے گا۔

عظیم کا لفظ صرف ظاہری چیزوں پر نہیں بلکہ معنوی چیزوں پر بھی اطلاق پاتا ہے بلکہ زیادہ تر

معانی پر اطلاق پاتا ہے۔مثلاً صفات کے لحاظ سے عظیم وہ شخص ہوگا جس کے اندر صفات بہت بڑائی رکھتی ہوں۔ان میں حوصلہ زیادہ ہو،ان میں مرتبہ زیادہ ہو اور روحانی لحاظ سے ایک عظیم وہ شخص ہوگا جس کی روحانیت کا تصور آپ نہیں کر سکتے۔اسی طرح عظیم کا لفظ صفات حسنہ اور شخصیتوں کے اوپر بولا جاتا ہے اور طاقتوں کے اوپر بھی بولا جاتا ہے۔عظیم سلطنت سے مراد صرف یہی نہیں کہ اس سلطنت کا پھیلاؤ زیادہ ہے بلکہ اس کا مرتبہ زیادہ ہے،اس کا رعب زیادہ ہے۔عظیم شخص بھی اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو ایک سے زیادہ جہتیں اپنے اندر رکھتا ہو،صرف ایک جہت میں ترقی نہ کرتا ہو یا ایک جہت میں اس نے بڑائی حاصل نہ کی ہو بلکہ ایک سے زیادہ جہتوں میں اس نے بڑائی حاصل کر لی ہو۔

ہر دفعہ جب عظیم کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس میں مقابلے کا معنی کوئی نہیں ہوتا جو علو میں پایا جاتا ہے۔لیکن رعب کا معنی عظمت کا ایک لازمی حصہ ہے۔جب آپ کسی شخص کے مقابل پر کسی پہلو سے چھوٹے ہوں اور وہ آپ سے بڑا ہو،خواہ وہ زندہ وجود ہو،خواہ وہ مردہ وجود ہو یعنی جسد ہو ایسی صورت میں آپ کے دل میں اس کی عظمت کا خیال آئے گا۔پہاڑ کو خواہ وہ کتنا بلند ہو آپ بہت دور سے دیکھیں تو آپ کو اس کی عظمت کا خیال نہیں آئے گا۔جب آپ اس کے قریب پہنچ جائیں یہاں تک کہ وہ آپ پر حاوی ہو جائے،اس کا رعب آپ پر بیٹھ جائے تو پھر آپ اسے عظیم کہیں گے،بے اختیار دل سے اس کی عظمت کا خیال اٹھے گا۔اسی طرح جس شخص کو بھی آپ یا جس ذات کو آپ عظیم کہتے ہیں اس کا کچھ نہ کچھ رعب قبول کرتے ہیں تو عظیم کہتے ہیں۔بادشاہ اپنے ماتحتوں کو عظیم نہیں کہتا،دل بڑھانے کے لئے کہہ دے تب بھی اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ تم اپنے چھوٹوں کے مقابل پر عظیم ہو لیکن اپنے مقابل پر اس کو عظیم نہیں سمجھتا اس لئے کہ عظمت میں ایک رعب کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔جب تک وہ رعب طاری نہ ہو اس وقت تک عظمت کا تصور قائم نہیں ہوتا۔پس عظمت اپنے ساتھ ایک رعب کا مضمون رکھتی ہے جو کسی چیز پر حاوی ہو جائے اور عظمت کا تصور تب بڑھتا ہے جب انسان ایسی چیز کے قریب جائے۔روس کی سلطنت بھی عظیم ہوگی لیکن آپ باہر بیٹھے ہوئے ہیں آپ کو اس سے کیا؟ وہ ایک فرضی عظمت ہے۔لیکن جس سلطنت میں آپ رہ رہے ہوں اس کی عظمت کا احساس اور رنگ رکھتا ہے۔جس سلطنت کو دور سے دیکھ رہے ہیں اس کی عظمت کا احساس اور رکھتا ہے۔پھر کسی کی عظمت براہ راست آپ پر اثر انداز بھی ہو رہی ہو وہ بالکل اور چیز ہے اور وہ جو براہ راست اثر انداز نہ

ہو رہی ہو وہ بالکل اور بات ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کہ پہاڑ کے قریب جا کر اس کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اگر زلزلہ کی کیفیت پیدا ہو رہی ہو اس وقت۔ اگر باد و باراں ہو بجلی کے کڑکے ہوں اور پہاڑ ان سب ہیبتوں کے ساتھ رونمائی کر رہا ہو جو پہاڑ کے لفظ کے ساتھ وابستہ ہیں، پہاڑ کے معانی کے ساتھ وابستہ ہیں تو پھر پہاڑ کی عظمت اور طرح سے جلوہ گر ہوگی۔

پس جب آپ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہتے ہیں تو عظمت کے وہ سارے معانی جو بھی انسان تصور کر سکتا ہے وہ سارے خدا تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور الف لام لفظ عظیم میں وہ ساری وسعتیں پیدا کر دیتا ہے جو عرب الف لام کے ساتھ منسوب کیا کرتے ہیں۔ یعنی یہ معنی بھی ہو جائیں گے کہ اصل عظمت تو خدا ہی کی عظمت ہے۔ یہ معنی بھی ہو جائیں گے کہ تمام عظمتیں جتنی بھی ہیں کامل طور پر خدا کی ذات میں پائی جاتی ہیں اور غیر اللہ میں نہیں پائی جاتیں۔ اور اس کے علاوہ بھی الف لام کے جتنے معانی ہیں یہ لفظ متفرق معانی دیتا ہے، وہ سارے خدا تعالیٰ کی ذات میں اکٹھے کر دیئے جائیں تب **العظیم** کے معانی سمجھ آئیں گے۔

اور پھر دوسرا پیغام آپ کو یہ ملتا ہے کہ **العظیم** ۔آپ نے اس وقت کہا جب آپ نے حرکت کی کسی کے سامنے جھکے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس کی حضوری کو محسوس کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی وجود آپ کے سامنے ابھرا ہے ورنہ تو خدا ہر وقت موجود ہے۔ عین جھکتے وقت آپ نے کیوں **سبحان ربی العظیم** کہا؟ دوبارہ توجہ کو اپنے رب کی عظمت کی طرف مرکوز کرنے کے لئے یہ احساس دلانے کے لئے کہ وہ عظیم جسے تم دور کی حالت سے دیکھا کرتے تھے، ایک غفلت کی آنکھ سے دیکھا کرتے تھے اب محسوس کرو کہ وہ عبادت کے وقت تمہارے قریب تر آ گیا ہے اور اتنا قریب آیا ہے کہ تم نے جسمانی حرکت کے ذریعہ اس کے وجود کو محسوس کیا ہے اور اس کے سامنے جھک گئے ہو۔ اور رَبِّی کے لفظ میں میرا رب کہہ کر اس میں ایک اور بھی مضمون پیدا کر دیا۔ یعنی ایسے شخص کے سامنے آپ نہیں جھکے جس کی دشمنی کا خوف ہو۔ ایک ایسے وجود کے سامنے جھکے ہیں جس سے آپ خیر کی توقع رکھتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف ہے۔ وہ آپ کی دائیں طرف ہے، آپ کے بائیں طرف نہیں ہے یعنی آپ کا ساتھی ہے آپ کا دشمن نہیں ہے۔

پس سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہہ کر جو یہ خدشات تھے کہ اتنے بڑے وجود کے سامنے جا

رہے ہیں جو خیر و شر کی تمام طاقتیں رکھتا ہے ہمارا کیا بنے گا؟ رَبِّی کہہ کر آپ کو ایک دعا سکھا دی اور یہ دعا درحقیقت وہ بھی کرنے لگ جاتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہمارا تھا نہیں ہم اس کو اب اپنا بنانا چاہتے ہیں۔ جب کسی طاقتور کے ہاتھ میں کوئی دشمن آجاتا ہے تو اس وقت وہ دشمن بھی اپنا بنالیا کرتا ہے اس کو یہ بتانے کے لئے کہ اگر میں پہلے نہیں بھی تھا تو اب میں تمہارا ہو جاتا ہوں۔ تو رَبِّی کا لفظ اپنے سارے مفاہیم اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو خدا سے دور رہا ہو جب وہ خدا کے حضور جھکتا ہے اور اس کی عظمت کو اپنے سامنے پاتا ہے تو رَبِّی کہہ کر یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں عملاً تیرا ہوں اور مجھ سے اپنوں والا سلوک کرنا، مجھ سے غیروں والا سلوک نہ کرنا۔ دوسری طرف تمام دوسری عظمتیں اس کے مقابل پر زائل ہو جاتی ہیں اور عنقا ہو جاتی ہیں جب انسان رَبِّیَ الْعَظِیْم کہہ کر اپنے رب کو اپنی طرف منسوب کرنے لگتا ہے۔ کئی عظمتوں کے خیال اس کے دل پر حاوی ہوتے ہیں جب کہتا ہے میرا رب سب سے بڑا ہے۔ یا میرا رب سب سے عظیم ہے۔ تو باقی ساری عظمتیں اس کے مقابل پر گھل جاتی ہیں اور بے حقیقت ہو کے رہ جاتی ہیں۔

تو رَبِّیَ الْعَظِیْم کو پڑھنا اور غور کے ساتھ اور ربوبیت کو اپنی طرف منسوب کرنے اور عظیم رب کی ربوبیت کو اپنی طرف منسوب کرنا، اس کے اندر کئی قسم کی دعائیں آجاتی ہیں۔ ہر قسم کا انسان دنیا میں کسی نہ کسی عظمت کے ساتھ واسطہ ضرور رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک طالب علم ہے اس کو اپنا استاد عظیم دکھائی دے رہا ہوتا ہے۔ علم کے میدان میں وہ اس سے سیکھ رہا ہوتا ہے، وہ اس پر حاوی نہیں ہوتا استاد کا علم اس پر حاوی ہوتا ہے۔ زندگی کے ہر میدان میں، ہر شعبہ میں کسی نہ کسی وجود کی عظمت کا احساس رہتا ہے۔ تو نماز میں جا کر اچانک آپ کو یہ پیغام ملتا ہے کہ وہ تو ساری معمولی عظمتیں ہیں۔ اصل میں تو میرا رب عظیم ہے اور جو رب عظیم ہے اس سے کیوں نہ میں عظمتیں حاصل کروں۔ ہر عظمت کے لئے اس کی طرف کیوں نہ جھکوں۔ پس زندگی کے ہر شعبہ میں ہر چیز کا حصول اور اس کی طلب خدا کی مدد کی محتاج ہو جاتی ہے جب آپ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہتے ہیں اور اس کا اقرار کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں سبحان کا لفظ آپ کو بتاتا ہے کہ دوسری ساری عظمتیں جو آپ نے دنیا میں دیکھی تھیں وہ نقائص سے پاک نہیں تھیں۔ کئی پہلوؤں سے ان عظمتوں میں بظاہر بڑی عظیم الشان چیزیں تھیں مگر جب ہم نے قریب سے دیکھا یا نہ بھی دیکھا تو عقلاً ہم جانتے ہیں کہ ان کے اندر ضرور خلا

موجود ہیں، نقائص موجود ہیں، کمزوریاں ہیں۔ اور مختلف بڑی بڑی عظیم شخصیتوں کا تذکرہ بھی آپ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے اندر بعض ایسی کمزوریاں پائی جاتی تھیں، ایسی بھیانک کمزوریاں پائی جاتی تھیں کہ ان کمزوریوں پر نظر پڑے تو کوئی بھی عظیم نہ رہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ستاری ہے کہ اس نے ہر انسان کو اپنی ستاری کے پردہ میں ڈھانکا ہوا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس نظر سے انسان اپنے وجود کو دیکھ سکتا ہے اس نظر کے ساتھ اگر غیر اس کو دیکھیں تو اس کی ہر عصمت ہر عظمت کا پردہ چاک چاک ہو جائے گا۔ جن کو آپ نیکیاں سمجھتے ہیں ان کے اندر بھی بہت سی خامیاں رہ جاتی ہیں جو کرنے والے کو پتہ ہوتا ہے کہ کیا ہیں۔ اس لئے انبیاء جب اپنے وجود کے اندر نگاہ ڈالتے ہیں اور ان کی کنہ تک پہنچتے ہیں تو جب وہ یہ کہتے ہیں کہ

ع کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں

(درثمین صفحہ:۱۱۵)

تو ایک عجیب دردناک روح کی پکار ہوا کرتی ہے اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوتا۔ ایک ایسے عارف باللہ کی دردناک چیخ ہے جو سب نیکیوں کے باوجود جانتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ خدا کے فضل کے سوا، اس کی ستاری کے سوا میری کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔ تو اس سے بڑی عظمت کہاں متصور ہو سکتی جو خدا کے بعد نبی کی ذات کی عظمت ہے۔

تو جب **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم** آپ پڑھتے ہیں تو **سُبْحَانَ** کا لفظ آپ کو بتاتا ہے کہ سب عظمتیں جھوٹی اور بے معنی اور خول تھے اور ان کے اندر حقیقت میں پس پردہ ایسے بھیانک مناظر تھے جو کسی عظمت کو بھی عظمت نہیں رہنے دیتے لیکن دیکھو میرا رب کتنا عظیم ہے کہ اس کی عظمتیں ہر برائی سے پاک ہیں اور اس کی ہر عظمت ہر برائی سے پاک ہے۔ پس **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم** میں جب آپ خدا کی عظمتوں کا تصور کرنے لگیں اور اپنے ذہنوں میں اس کے مناظر بدلنے لگیں اپنی حالتوں اور کیفیات کے مطابق تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تکرار بوریت پیدا کر سکتی ہے۔ یا انسان اس سے اکتاہٹ محسوس کرنے لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم ساتھ نہیں دے سکتا لیکن اگر آپ کا ذہن آپ کا ساتھ دے، آپ کی روح آپ کا ساتھ دے تو کبھی ایک رکوع ختم بھی نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ قرآن کریم مومنوں کو **وَهُمْ رٰكِعُوْنَ** (المائدہ:۵۶) فرماتا ہے کہ بظاہر وہ جسمانی

رکوع میں نہ بھی ہوں تب بھی ان کی ساری زندگی رکوع بن جاتی ہے۔اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی عظمت کا بار بار کا تصور اتنا ان کے نفس پر حاوی ہو جاتا ہے، اتنا ان کے خیالات پر قبضہ کر لیتا ہے کہ پھر وہ ہمیشہ گویا ایک رکوع کی حالت میں رہتے ہیں یعنی خدا کی عظمتوں کے سامنے ان کی روحیں جھک کر چلتی ہیں۔نظر نہیں اٹھا سکتیں، سر خدا کے سامنے ہمیشہ کے لئے خم ہو جاتے ہیں۔

پس سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم کا مضمون بظاہر تین دفعہ آپ نے پڑھا لیکن اگر آپ اس کو غور سے پڑھیں اور اس کے اندر ڈوبنے کی کوشش کریں تو الٰہی عظمتوں کا مضمون تو ایک لامتناہی مضمون ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔پھر اسے رَبِّي کے ساتھ منسوب کر کے پڑھیں پھر اسے سُبْحَانَ کے لفظ پر غور کر کے پڑھیں تو اندرونی طور پر آپ کو اپنے نقائص دور کرنے اور یہ احساس دلانے کے لئے کتنے عظیم الشان مواقع میسر آئیں گے کہ آپ اگر سچ مچ عظیم بننا چاہتے ہیں تو ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی نقائص سے پاک کریں۔محض ایسی حمد اختیار کر لینی جو لوگوں کی نظر میں بڑائی پیدا کرے کافی نہیں ہے۔اندرونی نقص جب تک آپ کو نہیں کھنگالیں گے اور دور نہیں کریں گے۔اس وقت تک آپ فخر سے یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم ورنہ تو پھر وہ کسی اور کا رب عظیم ہوگا تمہارا رب تو عظیم نہیں رہے گا۔اگر تم اس کی طرف حقیقت میں توجہ نہیں کرتے اور اس کیفیت کی قدر نہیں کرتے اور اسے پیار کی نظر سے نہیں دیکھتے یعنی عظمت وہ جو خرابیوں سے پاک ہو۔تو ایک دو رخہ ترقی کا راستہ کھلتا ہے جس پر انسان بیک وقت سفر کر سکتا ہے۔ایک عظمتوں کا مثبت حصول اور وہ عظمتیں حاصل کرنا جو خدا کی ذات کے ساتھ وابستہ ہیں۔

کیوں خدا عظیم ہے؟ اس پر غور کرنا اور پھر خدا کی ان صفات کو اختیار کرنا جنہوں نے آپ کے دل پر عظمت کا رعب قائم کیا اور پھر انسانوں میں ان صفات کو جلوہ گر دیکھنے کے بعد یہ تجزیہ کرنا کہ ان صفات کے ساتھ کون کون سی خرابیاں وابستہ ہوتی ہیں جو انسان کی عظمتوں کو کھوکھلا کر دیا کرتی ہیں، بے معنی کر دیا کرتی ہیں اور پھر چن چن کر جیسے ایک دانے صاف کرنے والی کبھی ان کو اچھالتی ہے، کبھی پھٹکتی ہے، کبھی ہاتھوں سے چن چن کر مختلف رنگ کی چیزیں مختلف شکلوں کی چیزیں الگ الگ کر کے رکھ دیتی ہے اور پھر وہ صاف کرتی ہے۔اسی طرح اپنے نفس کی چھان اور پھٹک کا سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم اتنے مواقع فراہم کرتا ہے کہ انسان اس صفائی کے دور میں اپنی عمریں بسر کر سکتا ہے۔

یہ درست ہے کہ نماز کا ہر پہلو اپنی ذات میں بہت سی وسعتیں رکھتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ انسان ان تمام وسعتوں سے ہر نماز میں ہر پہلو سے فائدہ اٹھا جائے۔ اگر یہ کوشش کرے تو نماز غالب آجائے گی اور انسان نماز پر غالب نہیں آسکتا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ عجز کا مضمون بھی ساتھ سکھایا کہ دیکھو! تم نیکیاں تو کرو لیکن حوصلے کے ساتھ، تسلی کے ساتھ تھوڑی تھوڑی، اپنی توفیق دیکھ کر اور رفتہ رفتہ آگے بڑھو کچھ تھوڑا سا آرام کرلیا کچھ قیلولہ کرلیا، کبھی صبح چلے کبھی شام کو چلے، کبھی موسم کا خیال کرلیا، کبھی مزاج کا خیال کرلیا۔ ان سارے امور کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا تم تسلی اور حوصلے سے قدم بڑھانا ورنہ نیکیاں تمہیں توڑ دیں گی تم نیکیوں کو نہیں توڑ سکتے۔ نیکیاں تم پر غالب آجائیں گی یعنی تمہیں بے طاقت کر کے دکھادیں گی، بے بس کر کے دکھادیں گی تم نیکیوں پر غالب نہیں آسکتے۔

پس جب یہ نماز کے مضمون بیان کئے جاتے ہیں یا کسی اور نیکی کے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ایک ہی سیکنڈ میں ایک ہی لمحہ میں ان امور کے ہر پہلو پر حاوی ہونے کی کوشش شروع کردیں جو آپ کے سامنے بیان کئے جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے مقام اور مرتبہ پر الگ الگ کھڑا ہے اور اگر وہ اپنے نفس کے تجزیے کی عادت رکھتا ہے تو اس کو علم ہے کہ وہ کہاں ہے۔ ورنہ خدا جانتا ہے کہ ہر انسان کس مقام پر کھڑا ہے۔ نماز تو آپ کو رستے دکھا رہی ہے اشارے کر رہی ہے کہ اگر مجھے تم دیانت داری اور خلوص سے اختیار کرو گے تو میں تمہاری ہر ضرورت کے لئے کافی ہو جاؤں گی۔ میں تمہارے ہر تصور کو پہنچتی ہوں، تمہارا ہر تصور مجھ سے کوتاہ ہے، میں اس سے زیادہ انعام دینے کی طاقت رکھتی ہوں۔

پس اس جہت سے نماز کے ساتھ محبت پیدا کریں اس کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کریں۔ اس سے پورا استفادہ کرنے کی کوشش کریں۔ اسے سنوارنے کی کوشش کریں گویا کہ جب آپ نماز سنوارتے ہیں تو خود سنورتے ہیں۔ نماز کے ذریعہ ہی آپ کی اصلاح ہوتی ہے۔ یہی ہے جو آپ کو صالح بناتی ہے۔ یہی ہے جو آپ کو شہادت عطا کرتی ہے۔ یہی ہے جو آپ کو صدیقیت کے مقام تک پہنچاتی ہے اور یہی ہے جو نبوت کے رنگ آپ میں پیدا کرتی ہے۔ کوئی نبی نہ بھی بنے نماز انسان کے وجود میں نبوت کے رنگ پیدا کر دیتی ہے اور یہ بھی ایک وسیع مضمون ہے یعنی ضروری نہیں کہ نبوت کا

لقب خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو۔ یہ تو ایک بہت ہی عظیم الشان مقام ہے جو نبوت کے اندر لمبے سفر کے بعد نصیب ہوسکتا ہے لیکن اس کے سوا نبوت کے جہاں تک رنگوں کا تعلق ہے وہ تو مومنوں کی جماعت میں ہر طرف پھیلے پڑے ہیں۔ پس صالحیت سے گزرتے ہوئے نبوت کے رنگوں تک پہنچانے کے لئے بھی نماز ہی ضروری ہے۔

یہ باتیں اپنی سوسائٹی میں عام کریں۔ اپنے گھروں میں ان کے چرچے کریں۔ اپنی نمازوں کو درست کرنے لگیں اور جب آپ یہ شروع کریں گے تو پھر آپ کو محسوس ہوگا کہ عبادت ہے کیا؟ پھر ایک نئے قسم کے خدا سے آپ کو تعارف ہوگا جو غیب سے حاضر ہونے لگے گا، جس کا حسن وجود پکڑنے لگے گا۔ وہ تصور کی دنیا کا خدا نہیں رہے گا بلکہ ایک حسن اور پیار کا مجسمہ بن کر آپ کے سامنے آ کھڑا ہوگا۔ تب وہ دل میں محبت کا شعلہ نازل ہوگا جس کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بارہا متفرق جگہوں پر کئی رنگ میں ذکر فرماتے ہیں۔

ے بن دیکھے کس طرح کسی ماہ رخ پہ آئے دل
کیوں کر کوئی خیالی صنم سے لگائے دل

(درثمین صفحہ:۱۱۱)

جب تک خدا حاضر میں نہیں آتا، جب تک وجود نہیں پکڑتا اس سے محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ اور جب تک محبت نہیں ہوتی نماز میں وہ ولولہ اور وہ زندگی اور وہ جان پیدا نہیں ہوتی جس سے نماز خود بخود قائم ہوجایا کرتی ہے۔ اس کی راہ میں ابھی بہت سی مشکلات ہیں، بہت سی روکیں ہیں، بہت سی محنتیں کرنی پڑیں گی ہیں، بہت سی جدوجہد کرنی پڑے گی لیکن دعاؤں کے ساتھ اور صبر واستقامت کے ساتھ اگر آپ یہ کوشش کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر شخص اپنی ہر نماز کی ہر حرکت کے ذریعہ اپنے رب کے پہلے سے زیادہ قریب تر ہوتا چلا جائے گا۔